ISSN E: 2709-8273
ISSN P:2709-8265
JOURNAL OF APPLIED LINGUISTICS AND TESOL
JALT

JOURNAL OF APPLIED LINGUISTICS AND TESOL

Vol.8. No.3.2025

اکرام اللہ کے ناولوں میں مزاحمتی عناصر-تجزیاتی مطالعہ

عبد الماجد

(پی ایچ ڈی سکالر)

ڈاکٹر جہانزیب شعور

(اسسٹنٹ پروفیسر، شعبہ اردو، اسلامیہ کالج، پشاور)

ABSTRACT

Ikram ullah is a well known Urdu fiction writer. He wrote novels and short story collections. In all his fictional writings he explains the idea o resistance , in hi s stories , resistance is not shown through loud political slogans. Instead it appears in a quiet and thoughtful way. His character resist social pressure , old traditions, unfair systems and mental control. Ikram ullah uses symbol ,simple situation and inner thoughts of characters to show how people fight against injustice.his novels also highlights class differences, social hypocrisy and the power structures that influence every day life . the resistance in his work is both personal and social characters question their surroundings,challenge wrong norms and try to protect identity.this study shows that ikram ullahs novels add an important voice to modern urdu literature by presenting resistance as natural part of human thinking and social experience.

اکرام اللہ اردو ادب کے اُن چند افسانہ نگاروں اور ناول نگاروں میں شمار ہوتے ہیں جن کے ادبی کارناموں نے موضوع، اسلوب اور نظریاتی سطح پر قاری کو چونکا دیا ہے۔ ان کے ناولوں اور افسانوں کا مجموعی خاکہ جدید معاشرتی تغیرات، تہذیبی تضادات اور فرد کے سیاسی و اخلاقی المیے سے جُڑا ہوا دکھائی دیتا ہے۔

ادبی میدان میں "مزاحمت" سے مراد صرف حکومتی یا سیاسی اقتدار کے خلاف کھڑے ہونا نہیں بلکہ وہ تمام بیانیہ اور تکنیکیں ہیں جو ناول نگار نے اپنی ادبی فن پاروں میں اپنائی ہوں۔ ناول نگار اکرام اللہ کے ناولوں میں یہ مزاحمتی پہلو کئی سطحوں پر ملتے ہیں۔ ان کے ہاں موضوعاتی مزاحمت بھی ملتی ہے اور بیانیاتی مزاحمت بھی جو زبان و اسلوب میں پایا جاتا ہے۔ انہوں نے کہانی کی فکر اور کرداروں کے ذریعے مزاحمتی رویے کو اجاگر کرنے کی کوشش کی ہے۔

اکرام اللہ کے ناول جدید معاشرتی تناظر کے اندر ایسے موضوعات کو سامنے لاتے ہیں جنہیں اُس دور کے معاشرے میں قبولیت کم ملی یا جو متنازع سمجھے گئے۔ مثال کے طور پر، گُرگِ شب کو سنسر شپ نے جن وجوہات کی بنا پر زیرِ بحث لایا تھا—اس کا ذکر ادبی مباحثے میں اکثر آتا ہے کہ گُرگِ شب نے اس وقت کے روایتی رویوں اور معاشرتی قدروں کو چیلنج کیا جس کے سبب اس پر پابندی بھی عائد ہوئی۔ اس کی کہانی کے بارے میں ممتاز احمد خان لکھتے ہیں:

> اکرام اللہ کا ناول "گرگ شب" میں موضوع کے یا تھیم کے اعتبار سے ایک تجربہ کیا گیا ہے اس کا تعلق اوڈی سی پس ہے سے ہے جس کا مطلب ان incest جیسے نفسیاتی و جنسی رویے بلکہ یوں کہ یہ ان (Oedipus complex کمپلیکس(جنسی تعلق کہ جن سے اسے حرام قرار دیا گیا یونانی انہی ڈرامے اوڈی سی پس ریکس میں یہی مسئلہ پیش کیا گیا جہاں بیٹے کی شادی سگی ماں سے لاعلمی و عدم واقفیت کی بنیاد پر ہو جاتی ہے اور لاعلمی و عدم واقفیت کے پردے اٹھنے پر اوڈی سی پس کی نفسیات میں ہولناک تبدیلیاں آتی ہیں اور وہ ایسے کرب میں مبتلا ہوتا ہے کہ جس کا سدھار نام ممکن ہے اور جو موت ساتھ ہی ختم ہو سکتا ہے۔ 1

یہ موضوعاتی مزاحمت اِن ناولوں کو محض صنفی یا رومانوی داستانوں کے دائرے سے باہر نکال دیتی ہے اور انہیں ایک سیاسی / فکری مکالمے کا حصہ بناتی ہے۔ گرگ شب میں ایک ایسی کہانی کو بنا گیا ہے جس کو یہ معاشرہ آسانی سے قبول نہیں کرتا۔ یہ ایک ایسے انسان کی کہانی ہے جو اپنے ہونے پر سوال اٹھاتا ہے اور اسی وجہ سے وہ مسلسل اپنے وجود کے اندر

ISSN E: 2709-8273
ISSN P:2709-8265
JOURNAL OF APPLIED LINGUISTICS AND TESOL
JALT

بھی مزاحمت کا سامنا کرتا رہتا ہے۔ اس ناول کا مرکزی کردار شفیع ہے جو ایک ناجائز اولاد ہے۔ یہی وجہ ہے کہ معاشرہ اس کو قبولیت کا شرف نہیں بخشتا۔ یہ ناول انسانی رشتوں اور سماجی تلخیوں کا احاطہ کرتا ہے۔ شفیع سماجی تعصبات اور اپنے وجود کے بارے میں تلخیوں کا سامنا کر رہا ہے۔ یہ ناول سماجی تنقید، طبقاتی ناانصافی، مردانگی کے تصور اور اخلاقی منافقت کے خلاف مزاحم کرتا ہے۔ اس ناول کے ذریعے اکرام اللہ انسانی رشتوں میں دراڑیں دکھانے کے ذریعے سماجی نظام کے خلاف آواز اٹھاتے ہیں۔ وہ اس ناول کے ذریعے منافقانہ پہلو، رشتوں کی حقیقت اور انسانوں کے ایک دوسرے کے ستانے کے رویے کے خلاف آواز اٹھاتے ہیں۔ اس ناول کے بارے میں محمد خالد اختر لکھتے ہیں کہ:

"گرگ شب ایک ایسے الجھے ہوئے دراڑ پڑے شخص کی کہانی ہے جو کہ نسٹ کے
رشتے سے وجود میں آیا ہے۔ اور اب اپنی ذہنی گرہوں کی وجہ سے وجود میں شرم اور
نفسیاتی رکاوٹوں کی دیوار پاند کر ایک عام اوسط آدمی کی ذہنی اور جسمانی زندگی حاصل
کرنا اس کے لیے ناممکن ہو گیا ہے۔ 2

اس ناول کا مرکزی کردار بسا اوقات اپنے اور معاشرے کے رویے کے خلاف مزاحمت کرتا رہتا ہے وہ اپنی شخصیت تک بدل دیتا ہے مگر اس کے باوجود بھی وہ ناکام رہتا ہے۔ ان کا اپنی شخصیت کے خدوخال کو بدلنا بھی دراصل معاشرے کے خلاف مزاحمتی رویہ ہے۔ وہ اپنا نام شفیع سے بدل کر ظفر رکھ لیتا ہے یہ بھی اس کے اندر پھوٹنے والی مزاحمت ہی کی عکاسی کرتا ہے۔ وہ جب اپنے کمرے کے بارے میں سوچتا ہے تو اس سے اس کی اندرونی مزاحمت واضح ہو جاتی ہے۔

بیڈ روم۔ جہاں لیٹ کے خوفناک خواب آتے ہیں۔ میں آج رات سوؤں گا ہی نہیں اور بتی روشن رہے گی۔ میں ان خوابوں
کو مجبور کر دوں گا کہ ننگے ہو کر میرے سامنے آئیں تاکہ میں انہیں اپنی آنکھوں سے دیکھوں۔ اپنے ہاتھوں سے ٹٹولوں
محسوس کروں۔ اپنے کانوں ان کی آوازیں سنوں اور پھر اگر ان میں کوئی حقیقت ہے تو اپنے آپ کو ان کی کربناک اور
خوف ناک حقیقت میں جذب کر دوں۔ ہمیشہ کے لیے خاموشی سے اپنا آپ ان کے سپرد کر دوں، جس طرح تمام گنہگار
ابدی جہنم میں ایک خاموشی سے، صبر سے، اپنی قسمتوں پر شاکر، اپنے نصیبوں پر قانع جذب ہو جائیں گے۔ یا پھر ان
خوابوں سے مجھے مستقل طور پر چھٹکارا مل جائے گا۔ آخر اس روز روز کی دانتا کل کل کو کسی طور تو ختم کرنا چاہیے 3

شفیع کے اندر لگی ہوئی یہ اندرونی کشمکش اس کو بار بار اس معاشرتی ناانصافی کے خلاف لا کھڑا کرنے پر اکساتا ہے جس گناہ کو اس نے کیا نہیں لیکن اس کے بوجھ تلے وہ ڈوبا ہوا ہے۔ اس کے کردار سے یہ بات واضح ہو جاتی ہے کہ وہ بہت کچھ کرنا چاہتا ہے لیکن وہ معاشرے میں کچھ کرنے کے قابل بھی نہیں رہا ہے۔ وہ اپنے اندر لگی ہوئی آگ کو بجھانا چاہتا ہے لیکن وہ شعلے جسے معاشرہ بار بار بھڑکانے پر تلا ہوا ہے اس کا بجھانا شفیع کے ہاتھوں سے باہر ہے۔

"میرے بھائی! نہیں معاف کیجیے، میرے باپ نے اگر میری سوتیلی ماں سے مل کر مجھے پیدا کیا تو پرانے، نہایت پرانے
دستور کے مطابق نہ تو اچھا کیا اور نہ برا کیا۔ لیکن آج کے زمانے میں مجھے بدترین قسم کے حرامی ہونے کی لعنت سے کیوں
کر چھٹکارا ملے۔ نئی اقدار ابھی پیدا نہیں ہوئیں، خدا کہی گم ہے۔ میں ابتدائے آفرینش سے اپنی ذات کے ساتھ بندھا ہوا
ہوں۔ ان حالات میں ناواقفیت کی دیوار کے پیچھے چلے جانا چاہیے۔ اس طرح اگرچہ ہر چھرے سے سلاخ پر دیوانہ وار
گھوموں گا تو سہی لیکن تکلیف کا احساس تو نہ ہو گا۔" 4

اس اقتباس سے بھی شفیع کا خود ستانا سامنے آتا ہے۔ وہ خود کو تکلیف میں مبتلا کرنا چاہتا ہے خود اذیتی کا شکار ہوا ہے اور یہی وہ پہلی مزاحمت ہے جو اس کے اندر سے پھوٹتی ہے۔ یہ مزاحمت کی وہ چنگاری ہے جس سے وہ لاوہ بنانے پر تلا ہوا ہے لیکن اس کو شعلہ نہیں لگتا۔ شفیع بنیادی تور پر اپنے آپ سے حرامی کا وہ تائٹل مٹانا چاہتا ہے جس کو معاشرے نے اس کے گلے کا توق بنایا ہوا ہے۔ وہ اس کو ستا بھی رہا ہے اور معاشرے میں جینے بھی نہیں دے رہا۔

اکرام اللہ کا دوسرا ناول "سایے کی آواز" ہے جس کی اشاعت 2001ء میں ہوئی۔ یہ ناول بھی مزاحمت کے حوالے سے اہمیت کا حامل ہے۔ اس کی کہانی بھی سماج کی عکاسی کرتی ہے۔ اس ناول کی کہانی سماجی جبر، سیاسی ناانصافی اور مظلوم لوگوں کی جدوجہد اور زندگی میں ہونے والی شکست وریخت کو اجاگر کرتی ہے۔ تیسری دنیا کا ہر انسان اپنی بقا کی جنگ لڑ

ISSN E: 2709-8273
ISSN P:2709-8265
JOURNAL OF APPLIED LINGUISTICS AND TESOL
JALT

رہا ہے اکرام اللہ کے کردار اکثر وہ لوگ ہوتے ہیں جو سماجی قدروں کے بیچ پھنسے ہوئے ہیں یا جن کی سماجی حقیقتیں روایت کے مطابق نہیں بنتیں۔ یہ کردار روایتی "جبریا "نِظام" کے خلاف اندرونی مزاحمت کرتے ہیں۔ چاہے وہ صنفی روایات ہوں، طاقت کے غیر مساوی ڈھانچے ہوں، یا اخلاقی قدروں کے ڈھیر۔ ان ناولوں میں کرداروں کے ذریعے مصنف نے یہ دکھانے کی کوشش کی کہ فرد کی زندگی میں مزاحمت صرف بیرونی جارحیت کے خلاف نہیں ہوتی، بلکہ اکثر داخلی تضادات اور ثقافتی الجھنیں ہی مزاحمتی کیفیت کو جنم دیتی ہیں۔ یہ نقطۂ نظر ناولوں کو نفسیاتی باریکیوں کے ساتھ ساتھ سماجی تنقید کا ذریعہ بھی بناتا ہے۔

اکرام اللہ نے سایے کی آواز میں سیاسی اور سماجی جبر کو موضوع بنایا ہوا ہے۔ وہ جگہ جگہ نو آبادیاتی دور کو بھی زیر بحث لاتے ہیں اور انگریزوں کے اس دور کا ذکر کرتے ہیں جو انہوں نے ہندوستان کے لوگوں پر ظلم اور جبر کی سیاہ رات کی صورت میں " کمپنی کی حکومت" کے عنوان کے ساتھ لاگو کیا تھا۔ جلیانوالہ باغ کا واقعہ ہو یا انسانوں کا قتل عام –ان تمام واقعات کا ذکر اکرام اللہ سایے کی آواز میں کرتے ہیں۔ وہ سماجی جبر اور ابتری کو بھی بیان کرتے ہوئے مزاحمتی انداز اپناتے ہیں۔ ان کے ہاں ایک اور بنیادی موضوع ہندوستانی یا بالخصوص تیسری دنیا کی عورت بھی ہے جو سماج کی چکی میں پس کر زندگی کا زہر روز بہ روز اگلتی رہتی ہے۔

سایے کی آواز کا مرکزی و راوی کردار کمال احمد ہے۔ ناول کی کہانی کمال احمد کی زندگی پر مبنی ہے۔ اس ناول میں میں ہیروئن کا کردار "فیروزہ" ہے۔ فیروزہ ایک طوائف ہے جس کی معاشرے کو ضرورت تو ہے لیکن اس کے لیے معاشرے میں کوئی جگہ نہیں ہے۔ ناول کے آغاز ہی میں فیروزہ کا مزاحمتی کردار دیکھنے کو ملتا ہے:

"مگر وہ آہستہ آہستہ اپنی تصویر ان سے کوئی دس فٹ دور الگ تھلگ ایک کونے میں لے گئی۔

اسے ان کا ساتھ ناپسند ہے یا وہ ان کی نفرت سے ڈرتی ہے کیونکہ وہ رنڈی تھی اور باقی سب کی

سب غیر رنڈی تھیں۔"5

فیروزہ کا خود سے نفرت کرنا بھی ایک طرح کی مزاحمت کا عنصر ہے۔ معاشرہ اس کو کبھی بھی قبولیت کا درجہ نہیں دیتا۔ وہ معاشرے کے اس تلخ رویے کے خلاف مزاحمتی جدوجہد نہیں کر سکتی لیکن وہ اس تناظر میں خود سے نفرت کرنا شروع کر دیتی ہے۔

اکرام اللہ بعض اوقات ناول کی روایت، پلاٹ کی ترتیب اور وقتی تسلسل کو توڑ کر بھی ایک مزاحمتی بیانیہ وضع کرتے ہیں۔ قطعِ نظر اس کے کہ وہ فلیش بیک یا متوازی کہانیوں کا استعمال کریں، مقصد یہی ہوتا ہے کہ روایتی " آغاز —درمیانی —اختتام " کے طے شدہ فارمیٹ کو سوال کے دائرے میں لایا جائے۔ اس تکنیکی مزاحمت کا نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ قاری کو کرداروں کے داخلی بحرانوں اور سماجی تضادات کو بذاتِ خود سمجھنے کا موقع ملتا ہے، بجائے اس کے کہ کہانی محض ایک بیانی روایت کے تحت چلتی رہے۔ نقادوں نے اکرام اللہ کے بیانی تجربوں کو ان کے فن کی شراکت قرار دیا ہے۔

حوالہ جات

1۔ ممتاز احمد خان، ڈاکٹر، آزادی کے بعد اردو ناول ہیئت، اسالیب اور رجحانات، انجمن ترقی اردو، کراچی، ۲۰۰۲ء، ص-218

2۔ محمد خالد اختر "حرف چند"(دیباچہ، مشمولہ: گرگ شب، عکس پبلی کیشنز، لاہور، 2019، ص5

3۔ اکرام اللہ، گرگ شب، لاہور، عکس پبلی کیشنز، 2019، ص70

4۔ ایضا۔ ص103۔

5۔ اکرام اللہ، سائے کی آواز، سنگ میل پبلی کیشنز، لاہور، 2001ء، ص 3۔